ایمان باللہ میں عقل کا مقام و کردار

An Islamic perspective of Faith and Reason

سیدہ محمدہ بخاری

Abstract:

The intellect occupies a fundamental position in Islam, playing a significant role in fostering faith in Allah. It enables humans to reflect on the universe, discern its intricate order, and recognize the signs of divine existence, wisdom, and power. Through reason, individuals are encouraged to contemplate the revelations in the Qur'an and uncover the truth about their purpose in life. The Qur'an frequently appeals to human intellect, urging people to ponder over the natural world, historical events, and moral principles, demonstrating that faith and reason are harmonious.

However, the intellect has its limits, especially concerning the infinite and transcendent nature of Allah's essence and attributes. Matters of the unseen, such as the reality of the divine being, require guidance from revelation and faith, as these transcend the boundaries of human reasoning. Faith serves as a bridge between the intellectual recognition of Allah's signs and a deeper spiritual conviction. Islam promotes a balance between the use of intellect and submission to divine guidance, ensuring that reasoning leads to humility and not arrogance. This synergy nurtures a comprehensive understanding of faith, rooted in both rational inquiry and spiritual enlightenment.

Key Words: Intellectual, Islam, Faith, Reason, Quran, Spiritual conviction,

Humility, Revelation,

Rational inquiry, Spiritual enlightenment.

●ایمان کی لغوی تحقیق :

ایمان کا لفظ مادہ " امن " سے نکلا ہے ”اٰمِنَ، یأمَنُ، اَمْناً وَ اَمَنۃ“ کے معنی ہیں ”امن میں ہونا“. اس معنی میں یہ لفظ قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے۔اٰمِنَ سے اسم الفاعل بنتا ہے آمِنٌ ،یہ لفظ صرف سورت الملک میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے‘

فرمایا : ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ [1]

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ؕ-فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ [2]

”کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمھیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھولے کھانے لگے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے“. اسی طرح کی پتھراؤ کرنے والی ہوا قومِ عاد پر آ چکی ہے. سورۃ الاعراف میں یہ لفظ بیان ہوا ہے:

ریسرچ اسکالر، گورنمنٹ کالج خان پور

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ[3]

''کیا اللہ کی چالوں سے وہ اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں؟ (محفوظ سمجھتے ہیں؟ امن میں سمجھتے ہیں؟) تو جان لو کہ اللہ کی چال سے امن میں ہونے والا وہی ہو سکتا ہے الایہ کہ خسارہ پانے والا ہو''. مذکورہ بالا آیات کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ اَمِنَ یَاْمَنُ کے معنی ہیں ''امن میں ہونا''.

لفظ ''اٰمَنَ'' کو باب افعال میں لے جائیں تو مصدر بنے گا: ''ایمان'' یعنی کسی کو امن دینا. تو لفظ ایمان کا ترجمہ ہوا ''امن دینا''. اسی سے اسم فاعل بنتا ہے: ''مؤمِنٌ'' یعنی امن دینے والا. اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے "اَلْمُؤْمِنُ"

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ [4] "امن دینے والا' نگہبان' سب پر غالب' اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہو کر رہنے والا''. معلوم ہوا کہ اٰمَنَ. یَاْمَنُ. اَمْنًا کا مفہوم ہے: خود امن میں ہونا' اور اٰمَنَ. یُؤْمِنُ. اِیْمَانًا کے معنی ہیں: دوسرے کو امن فراہم کرنا." [5]

اصطلاحی اور شرعی تعریف

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق اور تسلیم کے ہیں۔اور شریعت کی اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے کہ وہ ہدایت جو نبی کریم ﷺ اللہ لے کر آئے ہیں ، جو قطعیت کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں ، ان کی دل سے تصدیق کرنااور زبان سےاس کا اقرار کرنایہ ایمان کہلاتا ہے۔

التعریفات میں ہے :

" الإيمان في اللغة التصديق بالقلب وفي الاعتقاد بالقلب والإقرار باللسان ۔" [6]

البحرالرائق میں ہے :

" والإيمان التصديق بجميع ما جاء به محمد عن الله تبارك وتعالى مما علم مجيئه به ضرورة ۔" [7]

فتاوی شامی میں ہے:

الإيمان ، وهو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ما جاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة وهل هو فقط أو هو مع الإقرار قولان وأكثر الحنفية على الثاني والمحققون على الأول ۔ [8]

علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

"واما فی الشرع فهو التصديق بما علم مجيء النبی صلی الله عليہ وسلم بہ ضرورة تفصيلا فيما علم تفصيلا ، واجمالا فيما علم اجمالا ، وهذا مذهب جمهور المحققين " [9]

جن اصولوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لانے کا واضح طور پر علم ہو جائے تو تفصیل کے ساتھ اور اجمالی چیزوں کی اجمالا تصدیق کرنے کو " ایمان کہتے ہیں۔

قرآن حکیم میں لفظ ''ایمان'' کا موضوع

قرآن حکیم میں ''ایمان'' کا لفظ کم و بیش پینتالیس ۴۵ بار آیا ہے۔ایمان کا موضوع عقائد ہیں۔

اسلام میں ایمان کی اہمیت:

قرآن مجید کی دعوت کا اصل الاصول "ایمان" ہے۔اسلام انسان سے پہلا مطالبہ ہی یہ کرتا ہے کہ وہ ایمان لائے ۔قرآن مجید اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ

"مالک، ہم نے ایک پکارنے والی کی پکار کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا اپنے رب کو مانو "[10]

ایمان باللہ سے مراد:

"ایمان باللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے، اس کے خالق و مالک ہونے، اس کے پروردگار اور حاجت روا ہونے کا زبان سے اقرار اور دل کی گہرائیوں سے اس کی تصدیق کی جائے تو اس اقرار و تصدیق کے مجموعے کا نام ایمان باللہ ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔"

ایمان باللہ کی تعریف قرآن کی روشنی میں:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ [11]

ایمان باللہ کا مفہوم:

الإيمان بالله معناه إفراده - سبحانه - بالألوهية والربوبية والعبادة . ومن ثم إفراده بالسيادة على ضمير الإنسان وسلوكه في كل أمر من أمور الحياة ليس هناك شركاء - إذن - في الألوهية أو الربوبية . فلا شريك له في الخلق . ولا شريك له في تصريف الأمور . ولا يتدخل في تصريفه للكون والحياة أحد . ولا يرزق الناس معه أحد . ولا يضر أو ينفع غيره أحد . ولا يتم شيء في هذا الوجود صغيرا كان أو كبيرا إلا ما يأذن به ويرضاه .

وليس هناك شركاء في العبادة يتجه إليهم الناس . لا عبادة الشعائر ولا عبادة الخضوع والدينونة . فلا عبادة إلا لله . ولا طاعة إلا لله ولمن يعمل بأمره وشرعه ، فيتلقى سلطانه من هذا المصدر الذي لا سلطان إلا منه . فالسيادة على ضمائر الناس وعلى سلوكهم لله وحده بحكم هذا الإيمان . ومن ثم فالتشريع وقواعد الخلق ، ونظم الاجتماع والاقتصاد لا تتلقى إلا من صاحب السيادة الواحد الأحد . . من الله . . فهذا هو معنى الإيمان بالله . . ومن ثم ينطلق الإنسان حرا إزاء كل من عدا الله ، طليقا من كل قيد إلا من الحدود التي شرعها الله ، عزيزا على كل أحد إلا بسلطان من الله۔

صرف اللہ ہی الہ ہے، وہی رب ہے، وہ بندگی کے لائق ہے۔ وہی ہے جسے انسان کے ضمیر، انسان کے طرز عمل اور اس کی بندگی کے ہر موڑ پر حکمرانی کا حق حاصل ہے اس لئے اللہ کے ساتھ اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے اس کے ساتھ اس جہاں کی نگہبانی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کائنات کے چلانے میں اس کے کام میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ اس زندگی کے چلانے میں کوئی دخیل نہیں اس کے ساتھ اس کی مخلوق کی رزاقی میں کوئی شریک نہیں اس مخلوق کی نفع رسانی یا ضرر رسانی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ غرض اس کائنات کا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا، اس کی مشیت اور رضا کے سوا پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ عبادت اور بندگی کے معاملے میں کوئی اس کا شریک نہیں کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں عبادت کے شعائر، اطاعت و بندگی میں کوئی اس کا شریک نہیں لہذا پرستش صرف اسی کی ہے۔ اطاعت صرف اسی کی ہی ہوگی یا اس کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے لئے کام کر رہا ہے جو اس کی ہی شریعت کو نافذ کر رہا ہے۔ اور اپنے اقتدار اور سلطنت کو اللہ سے اخذ کرتا ہے۔ اس لئے کہ مقتدرِ اعلیٰ تو وہی ذات ہے۔ لہذا عوام الناس پر فکری حکومت، یا ان کے طرزِ عمل پر حکومت وہی شخص کر سکتا ہے جو دینِ اسلام سے اپنے لئے اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرتا ہے۔ لہذا اخلاقی اُصول اور قانون سازی کے اُصول و قواعد، ہمارے اجتماعی نظام کے اُصول اور ہمارے اقتصادی اُصول سب کے سب صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے احکام اور اُس کی ذات سے اخذ ہو سکتے ہیں۔ یہی ہے ایمان کا مفہوم اور اُس کا خلاصہ، یہی ایمانی تصوّرِ حیات ہے۔ جس کو اپنا کر ایک شخص ماسواء اللہ کے بندوں اور غلامیوں سے آزاد ہو سکتا ہے۔ شریعتِ خداوندی کے علاوہ تمام حدود و قیود سے آزاد ہو سکتا ہے، آزاد ہی نہیں بلکہ انسان سلطنتِ الٰہیہ کے سواء تمام قوتوں پر غالب آجاتا ہے۔ " 12

یہ ہے مکمل دین جو دین اسلام نے پیش کیا ہے۔ اللہ کی ذات پر ایمان اسلامی تصور حیات کا بنیادی پتھر ہے۔ یہ اس نظام زندگی کی اساس ہے جو زندگی کو استحکام بخشتا ہے۔ یہ اسلامی اخلاقیات کی اساس ہے۔

ایمان باللہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں :

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: "الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ 13

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔

ایمان باللہ کی شرائط

1 ۔اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان

وجود کے لغوی واصطلاحی تعریف: پایا جانا، موجود ہونا۔

ثبوت العین وما یصح بہ العلم ان یعلم الشیء و یخبر عنہ "کسی شہ کے ثبوت کا نام وجود ہے اور جس کے متعلق کچھ جانا جاسکے اور اس کے بارے میں خبر دی جاسکے"۔[14]

جو شخص بھی کائنات کے تمام اجزاء کے درمیان موجود گہرے ربط و ضبط کو دیکھے گا وہ پکار اٹھے گا کہ کوئی ذات ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہے، یہ کائنات نہ تو اتفاقیہ طور پر وجود میں آئی ہے اور نہ خود اپنی خالق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عقلی دلیل کا یوں ذکر فرمایا ہے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؀[15] "کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں"

2۔اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ایمان:

رب کی لغوی تحقیق:

ربّ لفظ کا مادّہ ر ب ب ہے جس کا ابتدائی واساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرّف، خبر گیری، اصلاحِ حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔

لغت میں لفظ رب کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا، مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں۔ نیز اس بچے کو بھی ربیب کہتے ہیں جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی ربیبہ کہتے ہیں۔ رابہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں، کیوں کہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کی پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رابّ سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مربَّب یا مربّی اسی دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ رَبَّ۔ یَرُبُّ۔ رَبّاً کے معنی اضافہ کرنے بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں۔ جیسے رَبَّ النِّعْمَۃ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

۲۔ سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے۔ فُلَانٌ یَرُبُّ النَّاسَ یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مَرَبّ کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہو جانے کو تَرَبُّب کہیں گے۔

۳۔ خبر گیری کرنا، اصلاحِ حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا، مثلاً رَبَّ ضَیْعَتَہٗ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔[16]

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات:

- قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ "اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔"[17]
- فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ oالَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَيَهْدِيْنِ oوَالَّذِيْ هُوَيُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ oوَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَيَشْفِيْنِ

"تمھارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز ربِ کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری راہ نمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے"۔[18]

- وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ

زمین میں چلنے والا کوئی جان دار اور ہوا میں اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح ایک امت نہ ہو، اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔[19]

- وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔[20]

- سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ تیرا رب جو عزت واقتدار کا مالک ہے ان تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[21]

3۔اللہ تعالیٰ کے تنہا الٰہ برحق ہونے پر ایمان:

اس لفظ کا مادہ ال ہ ہے۔اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

اَلِہَ اذا تحیّر، حیران و سرگشتہ ہوا۔

اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْہِ۔اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون واطمینان حاصل کیا۔

اَلِہَ الرَّجُلُ یَأْلَہُ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ بِہٖ فَآلَھَہٗ غَیْرُہ اَیْ اَجَارَہٗ۔آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوا اور دوسرے نے اسے پناہ دی۔

اَلِہَ الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ اِتَّجَہَ اِلَیْہِ لِشِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَیْہِ۔آدمی نے دوسرے کی طرف شدّتِ شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِذَا وَلِہَ بِاُمِّہٖ۔اونٹنی کا بچہ جو اس سے بچھڑ گیا تھا ماں کو پاتے ہی اس سے چمٹ گیا۔

لَاہَ یَلِیْہُ لِیْھًا وَلَاھًا اِذَا احْتَجَبَ۔پوشیدہ مستور ہوا۔ نیز ارتفع یعنی بلند ہوا۔

اِلٰہً اِلٰھۃً وَاُلُوْھَۃً وَاُلُوْھِیَّۃً عَبَدَ عبادت کی۔[22]

قرآن میں الٰہ کا استعمال:

وَہُوَاللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۭ لَہُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ۡ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ o قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ o قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّہَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔اسی کے لیے تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔اور وہی اکیلا صاحبِ حکم واقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ کہو تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے روزِ قیامت تک رات طاری کر دے تو اس کے سوا

کون سادوسرا الٰہ ہے جو تمھیں روشنی لادے گا؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کہو تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر تمھارے اوپر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اس کے سوا اور کون سا الٰہ ہے جو تمھیں رات لادے گا کہ اس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تمھیں نظر نہیں آتا؟[23]

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ-اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﳛ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌؕ-لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِؕ-مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ-یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْۚ-وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَۚ-وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَۚ-وَ لَا یَـٴُـوْدُهٗ حِفْظُهُمَاۚ-وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

[24]فهذه الوحدانية الحاسمة التي لا مجال فيها لأي انحراف أو لبس مما طرأ على الديانات السابقة - بعد الرسل - كعقيدة التثليث المبتدعة من المجامع الكنسية بعد عيسى - عليه السلام - ولا لأي غبش مما كان يرين على العقائد الوثنية التي تميل إلى التوحيد ، ولكنها تلبسه بالأساطير ، كعقيدة قدماء المصريين - في وقت من الأوقات - بوحدانية الله ، ثم تلبيس هذه الوحدانية بتمثل الإله في قرص الشمس ! ووجود آلهة صغيرة خاضعة له !

هذه الوحدانية الحاسمة الناصعة هي القاعدة التي يقوم عليها التصور الإسلامي ؛ والتي ينبثق منها منهج الإسلام للحياة كلها . فعن هذا التصور ينشأ الاتجاه إلى الله وحده بالعبودية والعبادة . فلا يكون إنسان عبدا إلا لله ، ولا يتجه بالعبادة إلا لله ، ولا يلتزم بطاعة إلا طاعة الله ، وما يأمره الله به من الحاكمية لله وحده . فيكون الله وحده هو المشرع للعباد ؛ ويجيء تشريع البشر مستمدا من شريعة الله . وعن : وعن هذا التصور تنشأ قاعدة . الطاعات هذا التصور تنشأ قاعدة استمداد القيم كلها من الله ؛ فلا اعتبار لقيمة من قيم الحياة كلها إذا لم تقبل في ميزان الله ، ولا شرعية لوضع أو تقليد أو تنظيم يخالف عن منهج الله . . وهكذا إلى آخرما ينبثق عن معنى الوحدانية من مشاعر في الضمير أو مناهج لحياة الناس في الأرض على السواء[25]

"یہ ایک فیصلہ کن واحدنیت ہے جس میں کسی قسم کے انحراف کی گنجائش نہیں اور اس میں وہ شرکیہ شائبہ نہیں جو سابقہ ادیان کے تصور الٰہ پر طاری ہو گئے تھے۔ مثلاً تثلیث کا خود ساختہ عقیدہ جو حضرت عیسیٰ کے بعد اہل کلیسا نے اختیار کیا یا وہ عقائد جن کی مصری اقوام قائل تھیں جو کسی وقت ایک خدا کے قائل تھے لیکن از مابعد میں اس ایک خدا کو سورج کی ٹکیا کی شکل میں مشتمل کر دیا گیا اور بعدہ اس بڑے سورج کے الہ کے تحت بہت سے چھوٹے چھوٹے الہ گھڑ لئے گئے۔ یہ فیصلہ کن وحدانیت، اسلامی تصورات و عقائد کی اساس ہے جس سے اسلامی نظام زندگی اپنی مفصل صورت میں متشکل ہوتا ہے یہی تصوری خدا ہے جس کے نتیجے میں ہم اپنی عبادات اور اپنی اطاعت میں صرف اللہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اس کے مطابق کوئی انسان اللہ کے سوا کسی کا مطیع و فرمان اور کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔ صرف اللہ کی اطاعت اس پر فرض ہے۔ جس کا اللہ نے اطاعت کرنے کا واضح حکم دیا ہے اسی تصورِ خدا سے یہ اصول پھوٹتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے صرف وہی قانون ساز ہو سکتا ہے اور انسان اپنے قواعد و ضوابط صرف شریعت کی روشنی میں وضع کر سکتا ہے اسی تصور الٰہ سے یہ بات نکلتی ہے کی انسان اپنے لئے اقدارِ حیات صرف اللہ سے اخذ کر سکتا ہے زندگی کی کوئی قدر اگر اللہ کے ترازو میں کوئی وزن نہیں رکھتی تو اس کا کوئی وزن نہ ہو گا۔ کوئی قانون، کوئی رواج اور کوئی تنظیم جو اللہ کے نظام کے خلاف ہے بالکل کالعدم ہے غرض عقیدۂ توحید کے نتیجے میں انسانی ضمیر مین ایک شعور پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں ایک تفصیلی نقشۂ حیات مرتب ہوتا ہے۔"[26]

4۔اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْن يُلْحِدُوْنَ فِىْ اَسْمَآئِهٖ، سَيُجْزَوْنَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

'اور اللہ تعالی کے لئے اچھے نام ہیں، لہٰذا انہی کے ساتھ اسے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کج روی کا شکار ہیں، جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا انہیں عنقریب بدلہ دیا جائے گا۔"

اللہ تعالی نے جو اسما اور صفات اپنے لیے خود ثابت کیے ہیں یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کا اثبات کیا ہے ان پر بغیر کسی کیفیت، تمثیل، تحریف اور تعطیل کے ایمان لانا واجب ہے۔اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہم یقین اور ایمان رکھیں کہ اللہ تعالی سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا اور حکمت والا ہے، اللہ تعالی کی صفات میں سماعت، بصارت، علم اور حکمت شامل ہیں، اسی طرح اللہ تعالی کی صفات میں آسمان پر مستوی ہونا، آسمان دنیا تک اللہ تعالی کا آنا، خوش ہونا، مسکرانا، غصہ ہونا اور رضامندی کا اظہار کرنا بھی شامل ہیں، نیز یہ بھی ماننا کہ اللہ تعالی کا چہرہ اور دو ہاتھ بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے خود اپنے بارے میں یہ باتیں بتلائیں ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی بتلائی ہیں۔۔

علامہ واسطی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اللہ تعالی کی صفات ثابت بھی ہیں اور اجمالی طور پر معلوم بھی ہیں، لیکن ان کی کیفیت اور حدود کیا ہیں ؟ ہماری عقل اس سے قاصر ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے مومن ایک اعتبار سے بینا ہے تو دوسرے اعتبار سے نابینا ہے۔ان صفات کے ثبوت اور وجود پر ایمان رکھتا ہے، جبکہ ان کی کیفیت اور حد بندی سے لا علم ہے۔اس طرح اللہ تعالی نے جو کچھ اپنے لیے ثابت قرار دیا ہے اس میں‌اور اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کے متعلق تحریف، تشبیہ اور توقف کے درمیان تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔اور یہی وہ مرادِ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہےاسی لیے اللہ تعالی نے ہمیں اپنی صفات کھول کھول کر بیان کی ہیں، اور ہم ان پر ان کی حقیقت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ تعالی کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ قائم نہیں کرتے۔"[27]

اللہ تعالیٰ کی اسماءوصفات سے متعلق چند اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جس کی تشریح درج ذیل ہے۔

- تشبیہ و تمثیل: اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق جیسی مثالیں بیان کرنا یا اس کی مخلوق سے تشبیہ دینا۔ یہ حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی شابہت سے پاک ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ[28]
- تکییف: اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور ہے مگر چونکہ اس نے کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کی، لہٰذا کسی صفت کی کیفیت سوچنا، پوچھنا یا بیان کرنا، تکییف میں داخل ہے اور چونکہ اس سے مشابہت کا دروازہ کھلتا ہے، لہٰذا یہ بھی حرام ہے۔
- تجسیم: یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے، یہ باطل عقیدہ ہے کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے ہاتھ کی خبر دی ہے تو اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔اسی طرح یہ جو کہا جاتا ہے "وجودِ باری تعالیٰ"، تو اس سے بھی مراد جسم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا مراد ہوتا ہے۔

●<u>تعطیل</u>: کتاب و سنت میں وارد اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنا تعطیل کہلاتا ہے مثلاً: اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ ہے آنکھ ہے عرش پر مستوی ہے، سننے والا، دیکھنے والا ہے وغیرہ۔اس کا انکار کرنا تعطیل ہے اور یہ باطل عقیدہ ہے۔

●<u>تاویل</u>: اسی تشبیہ کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ظاہری معنی چھوڑ دینا اور خود ساختہ معنی مراد لینا تاویل کہلاتا ہے۔ یہ بھی حرام ہے، کیونکہ کسی ٹھوس دلیل اور وجہ کے بغیر ظاہری معنی چھوڑ دینا اصول کے خلاف ہے اور کتاب و سنت کے کسی لفظ کا خود ساختہ مفہوم متعین کرنا گناہ ہے۔ باقی رہی تشبیہ تو وہ ظاہری معنی مراد لینے سے لازم نہیں آتی بلکہ تکییف سے لازم آتی ہے۔

ایمان اور عقل کا باہمی رشتہ :

عقل سے ایمان کا گہرا رشتہ ہے۔جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں وہ حق بات تک پہنچ جاتے ہیں اور ایمان کی دولت سے فیض یاب بھی ہوتے ہیں الا یہ کہ اس غور و فکر کے درمیان ایسی کوئی چیز حائل ہو جائے جو انہیں حقیقت تک نہ پہنچائے اور وہ راستہ سے بھٹک جائے۔قرآن مجید کی آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں خدا انہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔قرآن مجید کی مختلف آیات و نشانیوں کا ذکر کر کے انہیں سوالیہ انداز میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کیا یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں؟۔جو لوگ عقل کا استعمال نہیں کرتے وہ ایمان کی دولت سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید کی آیتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ تعالی ان پر نجاست (کفر) مسلط کر دیتا ہے۔کہا گیا کہ،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ ٱلرِّجْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ۔اور اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔[29]

اس آیت میں ایمان کو عقل کے استعمال سے جوڑ دیا ہے اور یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ایمان کی روشنی سے وہی لوگ ہدایت پا سکتے ہیں جو عقل کا استعمال کرتے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

"اہل ایمان کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ عقل اور سمجھ سے کام لے کر ایمان کی راہ اختیار کریں نہ کہ عذاب کی نشانیوں سے مجبور ہو کر، اگر اللہ کو مجبوراً ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لیے کیا مشکل تھا سب کو ایمان کی ڈگر پر ہانک دیتا لیکن ایسا نہیں کیا۔ایمان کی توفیق صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں جو اپنے دلوں پر نجاست کے انبار جمع کر لیتے ہیں ان کے لیے ایمان کی راہیں کھلتی"[30]

عقل سے مراد

● <u>عقل کے لغوی معنی</u> :   "روکنا، بند کرنا، قید کرنا، بچانااور محفوظ کرنے کے ہیں۔"

"عقل کامصدر عقل ، یعقل ، عقلا و معقولا ہے۔لسان العرب میں عقل کے لغوی معنی یوں بیان ہوئےالعقل : الحجر والنهىٰ وھو ضد الحمق ، والجمع عقول [31]۔

● <u>امام عبدالرحمن کیلانی نے عقل کی تعریف یوں کی کہ</u> عقل بمعنی سوجھ بوجھ والا ہونا، غلطی کااحساس کرنے کے قابل ہونا۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفع ونقصان کاامتیاز کرے، نقصان دہ باتوں سے بچنے کی تدبیر اختیار کرے اور فائدہ مند چیزوں اور قبول حق کے لیے ہر وقت تیار رہے۔[32]

● <u>عقل کی اصطلاحی تعریف:</u>

معجم المعانی میں ہے " ادراک الاشیاء علیٰ حقیقتها و مظهرة التميز بين الخير والشر والحق والباطل والحسن والقبيح ونحو ذلک "[33]

"عقل سے مراد اشیاء کی حقیقت کو صحیح طرح سے جانااور خیر وشر، حق وباطل، حسن وقبیح اوراس طرح کی دیگر اشیاء کے درمیان تمیز کااظہار کرنا ہے "

● <u>عقل کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی □ کا قول ہے</u>

" العَقلَ عَقلَينِ فَمَطبوعٌ وَمَسموعٌ وَلا يَنفَع مَسموعٌ إذا لَم يَكُ مَطبوعٌ كَما لا تَنفَعُ الشَمسَ وَضوءُ العَينِ مَمنوعُ " [34]

"عقل دو قسم پر ہے، عقل طبعی یعنی جو طبعیت میں ودیعت کی گئی ہواور عقل سمعی یعنی وہ جو لوگوں کی باتیں سن کر حاصل ہوتی ہو، پس اگر کوئی شخص فطرتاً عقل سے کورا ہے تو سن کر حاصل کی ہوئی عقل اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ سورج کی روشنی اندھے آدمی کے لئے بے فائدہ ہوتی ہے "۔

قرآن مجید میں عقل کو استعمال نہ کرنے کی مذمت

بعض دیگر وہ آیات ہیں جن میں عقل سے کام نہ لینے اوراس کو معطل کرکے اس سے کماحقہٗ فائدہ نہ اٹھانے کی مذمت کی گئی ہے اوریہ قرآن کریم میں جابجا ، افلاتعقلون،افلایتدبرون ، افلاتذکرون افلاتبصرون افلا تتفکرون کے طور پر ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ

بیشک بد ترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔[35]

کائنات پر غور وفکراور تدبّر نہ کرکے عقل خبیث نے خدا کے وجود کاانکار ہر دور میں مطلقا یا جزوی کیا گیاہے۔انبیاء علیھم السلام نے جب اپنی قوم کے لوگوں کو توحید کی دعوت دی توان کی قوم کے سرداروں نے اللہ کاانکار کیاقرآن مجید میں اس سے متعلق کئی آیات موجود ہیں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کاانکار

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

"کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جِلاتا اور مارتا ہے۔ کہا میں جِلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اُڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو"[36]

فی ظلال القرآن میں ہے

"إن هذا الملك الذي حاج إبراهيم في ربه لم يكن منكرا لوجود الله أصلا إنما كان منكرا لوحدانيته في الألوهية والربوبية ولتصريفه للكون وتدبيره لما يجري فيه وحده ، كما كان بعض المنحرفين في الجاهلية يعترفون بوجود الله ولكنهم يجعلون له اندادا ينسبون إليها فاعلية وعملا في حياتهم ! وكذلك كان منكرا أن الحاكمية لله وحده [37]

"یہ شخص جس نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ یہ مباحثہ کیا وہ وجود باری کا منکر نہ تھا۔ وہ اگر منکر تھا تو اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کا منکر تھا۔ وہ اللہ تعالٰی کو اس کائنات میں واحد متصرف اور واحد مدبر ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسی طرح جس طرح جاہلیت کے گمراہ لوگوں میں سے بعض ایسے تھے جو وجود باری کے معترف تھے لیکن وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ بعض دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ بعض افعال واقعات کو ان شریکوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالٰی کی صفت حاکمیت کے بھی منکر تھے-[38]۔

فقال انا ربکم الاعلیٰ پس اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں۔[39]

تفسیر البیان میں ہے کہ "ظاہر ہے فرعون نے خود کو "ربّ" اس معنی میں نہیں کہا تھا کہ وہ اس کائنات کا یا اپنے ملک کے لوگوں کا خالق ہے، بلکہ وہ تو خود باطل معبودوں کو پوجتا تھا سورۃ الاعراف کی آیت 127 سے ثابت ہوتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں نے پوجا پاٹ کے لیے اپنے کچھ معبود بھی بنا رکھے تھے۔ پھر اس کی رعیت میں بہت سے بڑے بوڑھے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے سامنے وہ پیدا ہوا ہو گا اور جنہوں نے اس کا بچپن بھی دیکھا ہو گا۔ گویا اسے خود بھی معلوم تھا اور اس کی رعیت کے تمام لوگ بھی جانتے تھے کہ وہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا ہے اور بحیثیت انسان وہ دوسرے عام انسانوں جیسا ہی ہے۔ چناچہ اس کا مذکورہ دعویٰ دراصل حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کے مالک ہونے کا دعویٰ تھا۔ اپنے اس دعوے کی مزید وضاحت اس نے ان الفاظ میں کی تھی: { یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ }[40] "اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟" کہ دیکھو اس پورے ملک پر میرا حکم چلتا ہے، پورے ملک کا نہری نظام بھی میرے تابع ہے، میں جسے جو چاہوں عطا کروں اور جسے چاہوں محروم رکھوں، میں مطلق اختیار اور اقتدار کا مالک ہوں۔

عقلیت کی تحریک: " انیسویں صدی کے آخری چوتھائی کا زمانہ تھا۔ یورپ میں اس وقت مادیت انتہائی عروج پر تھی۔ اٹھارہویں صدی میں سائنس پوری طرح مذہب کو شکست دے چکی تھی۔ جدید فلسفے اور نئے علومِ حکمت کی رہنمائی میں سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات، اور اجتماعیات

کے پرانے نظریے باطل ہو کر نئے نظریے قائم ہو چکے تھے۔یورپ میں ایک خاص تہذیب پیدا ہو چکی تھی جس کی بنیاد کلیتاً انھی جدید نظریوں پر قائم تھی۔اس انقلابِ عظیم نے زندگی کے عملی معاملات سے تو مذہب اور ان اصولوں کو جو مذہبی رہنمائی پر مبنی تھے، کلی طور پر خارج کر ہی دیا تھا، البتہ تخیل کی دنیا میں مذہبی اعتقاد کی تھوڑی سی جگہ باقی رہ گئی تھی، سو اب اس کے خلاف زبردست جنگ جاری تھی۔اگرچہ علومِ حکمت میں سے کسی علم نے بھی کائنات کے الٰہی نظریے کے خلاف کوئی ثبوت (جس کو ثبوت کہا جا سکتا ہو) بہم نہیں پہنچایا تھا مگر اہلِ حکمت بغیر کسی دلیل کے محض اپنے رجحانِ طبیعت کی بنا پر خدا سے بیزار اور الٰہی نظریے کے دشمن تھے اور چونکہ انھی کو اس وقت دنیا کی عقلی و علمی امامت کا منصب حاصل تھا اس لیے ان کے اثر سے خدا سے بیزاری کا مرض ایک عام وبا کی طرح پھیل گیا۔وجود باری تعالٰی کا انکار، کائنات کو آپ سے آپ پیدا ہونے والی اور آپ سے آپ قوانین طبیعی کے تحت چلنی والی چیز سمجھنا، خدا پرستی کو توہم قرار دینا، مذہب کو لغو اور مذہبیت کی تنگ نظری و تاریک خیالی کہنا نیچریت کو روشن خیالی کا ہم معنی سمجھنا اور اس وقت فیشن میں داخل ہو گیا تھا۔ "۔41

عقلیت کا نعرہ:

عقلیت کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزعومے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دریا برد کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لیے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا لبادہ پہنا کر سینے سے لگائے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند اپنے زمانے کو عقلیت کا زمانہ کہتے تھے۔

ولیم شلنگ ورتھ (1644) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر رہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا، لارڈ ہربرٹ (1648) اور تھامس (1671) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں۔عقلیت کا نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ وولٹائر (1788) جیسے ملحد بھی پیدا ہوئے جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک وارتیاب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، برٹرینڈرسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے۔42

خدا اور دین بیزار عقل:

خدا دین بیزار عقل نے، خدا سے متعلق مختلف نظریات کو جنم دیا۔

- الحاد کا نظریہ:_ خدا کے انکار کے معاملے میں شدت کا نظریہ رکھنے والے لوگ مابعدالطبیعیاتی (Meta- physical) امور کو کسی بھی صورت میں تسلیم نہیں کرتے، کائنات کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے، اس میں کسی خالق کے کمال صنعت کا ظہور نہیں ہوا ہے، اور اب یہ فطری قوانین (Low of nature) کے تحت چل رہی ہے، اس نقطہ نظر کے حاملین کو (Agnostic Atheist) کہا جاتا ہے، اور ملحدین سے بالعموم یہی طبقہ مراد لیا جاتا ہے۔

○ کائنات کا کوئی خالق نہیں

انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے نصف اول کا زمانہ الحاد کے عروج کا دور ہے۔اسی دور میں وہ سائنسی تحقیقات ہوئیں جنہوں نے الحادی نظریات کی توجیہ پیش کی۔اسی دور میں ان نظریات اور نظام ہائے حیات کو دنیا بھر میں فروغ ملا۔کوئی الحاد کو نظریاتی طور پر بھی مان کر خالص ملحد اور دہریہ بنا اور کسی نے صرف اس کے عملی اثرات کو قبول کرنے پر اکتفا کیا جبکہ بیسویں صدی کے نصف آخر سے الحاد کا زوال شروع ہوا۔
اب تک دنیا میں یہ مانا جارہا تھا کہ یہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔اس نظریے کو جدید دنیا میں جرمن فلسفی عمانویل کانٹ نے پیش کیا۔یہ سمجھا جانے لگا کہ اس کائنات کو کسی نے تخلیق نہیں کیا بلکہ یہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہے۔

○ سٹیفن ہاکنگ نے 2010 میں ' 'دی گرینڈ ڈیزائن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔دنیا کے اس سب سے بڑے سائنسدان نے دعویٰ کرتے ہوئے لکھا کہ

"God did not create the universe "

سٹیفن ہاکنگ کی کتاب میں تضاد یہ ہے کہ ایک جانب وہ بتلا رہا تھا کہ اس کائنات کا ڈیزائن انتہائی باکمال اور زبردست ذہانت کا علمبردار ہے جبکہ دوسری طرف وہ کسی بنانے والے یعنی خدا کا انکار کر رہا تھا کہ یہ مفروضہ پیش کر رہا تھا کہ یہ ڈیزائن خود بخود ہی بن گیا ہے۔

○ اسی کتاب میں وہ مزید لکھتے ہیں

-There is a law as gravity. The universe can and will create itself from nothing

(جاذبیت یعنی کشش کا ایک قانون ہے(جس کے مطابق)کائنات اپنے آپ کو عدم سے پیدا کر سکتی ہے اور کرے گی)۔
یعنی کائنات خود ہی اپنی خالق ہے اور وہ عدم سے وجود میں آئی ہے تو اسی عدم سے اپنے اندر بھی تخلیقی کام کرتی رہے گی [43]
مشہور سائنس دان ڈاکٹر اسٹیفن ہاکنگ نے کہا ہے:

○ "There is a “grand design” to the universe, but it has nothing to do with God. Science is coming close to “The Theory of Everything,” and when it does, we will know the grand design. (Catherine Giordano: Here’s Why Stephen Hawking Says There Is No God"[44]

○ لاادریت (Agnosticism)

لاادریت عربی کے لفظ لاادری سے ماخوذ ہے،لاادری واحد متکلم کا منفی صیغہ ہے جسکا مطلب ہے "میں نہیں جانتا[45]"
لاادری (انگریزی: Agnostic) وہ فرقہ ہے جو سمجھتا ہے کہ اللہ کے ہونے یا نہ ہونے کا کسی کو علم نہیں یا علم ہو ہی نہیں ہو سکتا۔انسانی عقل اس راز کو نہیں پا سکتی۔اس نظریے کے لوگ نہ خدا کا اقرار کرتے ہیں اور نہ انکار،بلکہ اپنے شعور وادراک سے ماورا سمجھ کر ذات خدا کے بارے میں سکوت کا رویہ اختیار کرتے ہیں،یہ لوگ عموماً ماورائی ہستیوں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔۔
یہ لفظ T.H. Huxley نے 1869 میں گھڑا۔اسنے اس کو یونانی کے Gnostic (جاننا، ادراک، عارف) کو a بمعنی نہیں، کے ساتھ جوڑ کر ڈھالا اور اس نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے یہ لفظ کلیسیا (چرچ) کی تاریخ عرفان یا

غناسطیت کی ضد میں بنایا ہے کہ جو ایسی باتوں کا پرچار کرتی ہے جن سے میں (Huxley) بے بہرا ہوں۔ نظریۂ لاغناسطیت (Agnosticism) کی رو سے حقیقی یا مطلق علم کا حصول ممکن نہیں۔اس لیے تمام علم و آگہی محض اضافی (Relative) ہیں۔ بالفاظ دیگر، خدا کے وجود یا انکار وجود کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ ہملٹن، ھکسلے، اسپنسر اور رسل اس مکتب کے اہم فلاسفہ گذرے ہیں۔[46]

ان فلاسفر کا موقف یہ ہے کہ

"We deny nothing; we simply say we do not know"[47]

سر ولیم ہملٹن کا خدا کے متعلق تصور(1788-1856)

ہملٹن کا خیال تھا کہ انسانی عقل خدا یا مطلق حقیقت کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہے۔

ان کے مطابق، خدا ایک "ناقابل ادراک حقیقت " ہے۔

وہ مطلق حقیقت کے بارے میں کسی بھی قطعی رائے کو غیر عقلی قرار دیتے ہیں، کیونکہ انسانی شعور کی محدودیت خدا جیسی لامحدود ہستی کو سمجھنے میں ناکام ہے۔

تھامس ہکسلے کا تصور خدا (1825-1895)

ہکسلے کا کہنا تھا کہ خدا کے وجود یا عدم وجود کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ان کے مطابق، یہ سوال انسانی علم کی حدود سے باہر ہے۔

انہوں نے سائنس اور مذہب کو الگ رکھنے پر زور دیا، کیونکہ ان کے نزدیک مذہب کا دائرہ ایمان ہے، جبکہ سائنس کا دائرہ مشاہدہ اور تجربہ۔

ہربرٹ اسپنسر کا تصور خدا(1820-1903)

"اسپنسر کے مطابق، کائنات کے پیچھے ایک "ناقابل ادراک حقیقت موجود ہے، جسے ہم روایتی طور پر خدا کہا جا سکتا ہے۔"

ان کے نزدیک، سائنس اور فلسفہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں کہ کائنات میں ایک آرڈر موجود ہے، لیکن اس آرڈر کی اصل نوعیت انسانی سمجھ سے ماورا ہے۔

برٹرینڈ رسل(1872-1970)

رسل نے خدا کے وجود پر سخت تنقید کی اور اسے غیر ضروری قرار دیا۔

ان کے مطابق، مذہب خوف اور جہالت کی پیداوار ہے، اور سائنس و منطق انسانی مسائل کو بہتر طور پر حل کر سکتی ہے۔

اپنی مشہور کتاب Why I Am Not a Christian میں، انہوں نے مذہبی عقائد کو غیر معقول اور سائنس کے مخالف قرار دیا۔ میں لکھا کہ سخدا کا تصور انسان کی نفسیاتی اور سماجی ضروریات کا عکاس ہے، نہ کہ کسی حقیقی وجود کا۔

یہ تمام فلسفی خدا کے تصور پر اپنے مخصوص علمی اور منطقی نقطہ نظر کے ذریعے روشنی ڈالتے ہیں، جس میں سائنس، فلسفہ، اور مذہب کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے

○ ڈی ازم (Deism) یہ نظریہ خدا کو صرف ایک خالقِ کائنات کی حد تک ماننے کا اصرار کرتا ہے، یعنی ان کے مطابق خدا کائنات کو وجود میں لا کر اس کے مقرر قوانین بنا کر خود کو معطل کر چکا ہے، لہذا نظام کائنات میں اب کسی ہستی کی مداخلت نہیں ہے، بلکہ اب یہ ایک آٹومیٹک گھڑی کی طرح خود بخود چل رہی ہے۔

ڈی ازم کے مطابق، خدا ایک عظیم خالق ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا اور فطری قوانین وضع کیے۔

خدا کو ایک "معمار" یا "واچ میکر" (Watchmaker) کہا جاتا ہے، جو کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد اس میں مداخلت نہیں کرتا۔خدا کا کردار محدود ہے صرف تخلیق تک اس کے بعد کائنات اپنے فطری قوانین کے تحت چلتی ہے۔

بقول والٹئیر

"کائنات میں خدا کا مقام اس گھڑی ساز کا ہے جو گھڑی بنانے کے بعد اس سے لاتعلق ہو گیا ہو"[48]

مغربی مفکرین کا تصور خدا:

"سیکولر فکر رکھنے والے متعدد اہلِ علم نے یہ بات لکھی ہے کہ خدا کا کوئی حقیقی وجود نہیں، وہ انسانی ذہن کی تخلیق ہے خدا، انسان کی ایک عظیم ایجاد ہے۔

God is a great invention by man۔

یہ صرف ایک ورڈ پلے word play ہے۔زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے۔انسان، خدا کی ایک عظیم تخلیق ہے:

Man is a great creation by God"[49]

آئن سٹائن کا خدا کے وجود کے متعلق شک:

البرٹ آئن اسٹائن ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا تھا، لیکن سائنسی مطالعے کے بعد وہ خدا کے وجود کے بارے میں تشکیک میں مبتلا ہو گیا۔اپنی وفات سے ایک سال پہلے 3 جنوری 1954 کو اس نے ایک اسرائیلی فلسفی ایرک کو جرمن زبان میں ایک خط لکھا جس کا ایک جملہ یہ تھا کہ "خدا کا لفظ اسکے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ صرف انسانی کمزوریوں کی ایک پیداوار ہے۔[50]

●"The word 'God' is for me nothing more than the expression and product of human weaknesses, the Bible a collection of honorable, but still primitive legends which are nevertheless pretty childish. No interpretation, no matter how subtle, can (for me) change this."[51]

.

- I do not believe in a personal God and I have never denied this but have expressed it clearly. If something is in me which can be called religious then it is the unbounded admiration for the structure of the world so far as our science can reveal it[52].

نطشے کا تصور خدا:

نطشے کے لیے خدا ایک نفسیاتی بناوٹی چیز ہے جو تکلیف کو کم کرنے اور مصیبت کے وقت آپکو ایک اچھی صحت فراہم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے ۔نطشے کے مطابق خدا پر یقین کمزوری کو ظاہر کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ خدا کے ساتھ چلنا، بیسا کھی کے ساتھ چلنا ہے۔

"God is dead. God remains dead. And we have killed him. How shall we comfort ourselves, the murderers of all murderers? What was holiest and mightiest of all that the world has yet owned has bled to death under our knives: who will wipe this blood off us? What water is there for us to clean ourselves? What festivals of atonement, what sacred games shall we have to invent? Is not the greatness of this deed too great for us? Must we not ourselves become gods simply to appear worthy of it?"[53]

نیوٹن کا تصور خدا:

"کوئی ایسا خدا موجود نہیں جو ستاروں کی گردش کو کنڑول کرتا ہو۔ عالمی دنیا میں اب یہ عقیدہ عام ہو گیا ہے نظام فلکی کو کسی خدا کی ضرورت نہیں رہی ۔

"کائنات پر نا قابل تبدیل قوانین کی حکومت ہے ستاروں کی حرکت، موسموں کا تغیر، شب و روز کا اختلاف، اور مرگ و حیات کا سلسلہ انہی قوانین کے تحت ہے یہ قوانین فطرت کے نام سے مشہور ہے اگر خدا کی گنجائش نکل سکتی ہے تو صرف اس حد تک کہ وہ محرک اول ہے۔[54]

جو لین ھکسلے کا خدا کے متعلق تبصرہ

”جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادّہ کے بارے میں انسان کے پچھلے تمام تصورات ختم ھو گئے اسی طرح پچھلی صدیوں میں علم کی جو ترقی ھوئی ھے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ (knowledge explosion) ہے جس کے بعد خدا اور مذھب کے متعلق تمام پرانے خیالات بھک سے اُڑ گئے ھیں“۔[55]

فرائیڈ کے نظریہ میں خدا کا تصور:

فرائیڈ کا خدا اور مذہب کا تصور ان کے مشہور نظریات پر مبنی ہے، جن میں نفسیاتی ترقی، لاشعور، اور انسانی جذبات کا تجزیہ شامل ہے۔ درج ذیل ان کے نظریات کا خلاصہ ہے

مذہب بطور نفسیاتی دفاعی نظام .

فرائیڈ کے مطابق، مذہب ایک ایسا نفسیاتی میکانزم ہے جو انسان کو زندگی کی غیر یقینی، دکھ، اور موت کے خوف سے بچنے میں مدد دیتا ہے۔

انسان، اپنی کمزوری اور خوف کے باعث، ایک ایسی ہستی کا تصور کرتا ہے جو کائنات کو کنٹرول کر سکتی ہو اور اس کے مسائل حل کر سکتی ہے۔

خدا بطور باپ کا متبادل .

خدا کا تصور بنیادی طور پر باپ کے کردار کی توسیع ہے۔ بچوں کے لیے باپ ایک طاقتور اور محافظ شخصیت ہوتی ہے۔

Freud considered God as a fantasy, based on the infantile need for a dominant father figure, with religion as a necessity in the development of early civilization to help restrain our violent impulses that can now be discarded in favor of science and reason.[56]

عقل پرستی پر مبنی نظام ہائے حیات:

اسلام میں پہلی چیز ایمان باللہ ہے لیکن جب انسان نے جب اپنی عقل سے جو زندگی کی اسکیم بنائی تو وہاں سرے سے اللہ کا وجود ہی نہیں اس کے نتیجے میں انسان نے الہامی نظام، جس کو اپنے گلے کا طوق سمجھتا ہے اتار کر پھینک دیا اور پھر اپنے ہاتھوں سے خود شجر خبیثہ لگایا اور خود اس سے بیزار ہیں اس درخت نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی الجھنیں پیدا کیں جس شاخ کو کاٹتے ہیں اور بہت سی خاردار شاخیں نکل آتی ہیں۔

سیکولرازم:

عیسائیت اپنے مزعومہ خیالات اور فرسودہ عقائد کی بناپر عقل اور جدید علوم کی شدید دشمن رہی ہے، کیونکہ عقل کو معیار تسلیم کر لینے کے بعد کلیسائی نظام کی پوری عمارت اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ زمین پر آ گرتی ہے، اس لیے مسیحیت نے عقل کو مطعون وملعون ٹھہرا کر ہر دور میں اسے محبوس کرنے کی انتھک کوشش کی ہے، جب کہ تحریکِ الحاد اس کی مخالف سمت کی پیروی کرتے ہوئے عقل کو اپنا امام قرار دیتی ہے۔ سیکولرزم جو مکمل غیر جانبداری کا دعویٰ کرتا ہے، یہاں مذہب کی راہ چھوڑ کر الحاد کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف عقل کو اپنے سر کا تاج بنا رہا ہے، بلکہ انسانی عقل کو عیوب ونقائص سے مبرّا قرار دے کر حسن وقبح کا معیار بتاتا ہے، اس کے نزدیک انسانی عقل اتنی صلاحیت ولیاقت رکھتی ہے کہ وہ حقیقت کے ساتھ ساتھ کائنات کے تمام اسرار ورموز کا مکمل طور سے ادراک کر سکتی ہے۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانی توجہات کا مرکز اور اس کی محنت ولیاقت کی تماشاگاہ صرف یہ دنیا ہونی چاہیے اور اس کی دنیاوی ترقی کے لیے تمام مادی وسائل کی افادیت ومضرت صرف عقل ہی سے جانی جاسکتی ہے، نیز وہ دلی طور سے اس بات کا بھی متمنی ہے کہ انسان اپنی صلاحیتیں اُس دنیا پر نہ لگائے جس کے وجود کو سیکولرزم تسلیم نہیں کرتا، اگر کبھی بادلِ ناخواستہ اس کے وجود کو ماننے پر آمادہ ہوتا ہے تو وہاں بھی یہ تصریح کرنے سے باز نہیں رہتا کہ اُس دنیا کا انسانی فلاح وبہبود اور اس کی خوشحالی سے کوئی تعلق نہیں، تو اس طرح وہ انسانیت کو ظواہر کی پرستش کرنے اور لاشعوری طور پر اُمورِ غیبیہ کا انکار کرنے کی ترغیب دے رہا ہے، کیونکہ وہ صرف اِس مشاہداتی دنیا پر نظر رکھتا ہے۔[57]

سرمایہ دارانہ نظام:

سرمایہ داری کا بنیادی کلمہ "لاالہ الاالانسان" ہے۔ تمام انسان اس کلمہ میں برابر کے شریک ہیں اور ان معنوں میں مساوی ہیں۔

عقل اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان کائنات پر اپنی مرضی کو مسلط کرتا چلا جائے اور اپنی "خدائی" سلطنتوں کی وسعتوں میں لامتناہی اضافہ کرتا چلا جائے۔ اس لیے مغربی تہذیب کے نقطۂ نگاہ سے ان مابعد الطبیعاتی تصورات کے انکاری لوگ انسان کہلانے کے لائق نہیں ہیں۔ اس لیے جب امریکا میں کئی ملین ریڈ انڈینز کو تہہ تیغ کیا جا تار ہا توان کے مشہور فلسفی نے اس بہیمیت کو جواز فراہم کیا۔ اس نے کہا کہ یہ ریڈ انڈینز تو سرے سے انسان ہی نہیں ہیں، ان میں اور جنگلی بھینسے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح جارج واشنگٹن نے انہیں بھیڑیے کہہ کر ان کے قتل عام کا جواز فراہم کیا۔ انہیں کوئی انسانی حقوق حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ اپنی "انسان" ہونے کی حیثیت سے ہی انکاری ہیں۔ اور کلمہ لاالہ الاانسان پر ایمان نہیں لاتے گویا روشن خیالی یہی ہے کہ انسان قائم بالذات ہے اور اپنی خدائی کو قائم کرنا اس کی عقل کا تقاضا ہے۔ اس لیے تسخیر کائنات کو واحد معقول مقصد کے طور پر قبول کر لیا جائے۔[58]

سرمایہ دارانہ عقلیت:

سرمایہ دار عقلیت [rationality] کا تقاضا ہے کہ ہر human being اپنی خواہشات کو اس طرح مرتب کرے کہ ان کے حصول کی جدوجہد قدرِ اصل یعنی سرمایہ کی بڑھوتری کے فروغ میں ممد اور معاون ہو۔ خواہشات کی ہر وہ ترتیب جو human being کو سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کا آلہ کار [Instrument] نہیں بناتی، عقلیت کے خلاف ہے irrational ہے۔ جیسا کہ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ نے تہافۃ الفلاسفہ میں تحریر فرمایا ہے، عقلیت کے کئی جاہلانہ تصورات ہیں۔ سرمایہ دارانہ عقلیت rationality ۔ وہ جاہلانہ عقلیت ہے جو human being کے ارادہ محض یعنی سرمایہ کی بڑھوتری کو اصل الاصول اور مقصد اصل [end in itself] کے طور پر فرض [presume] کرتی ہے اور ہر عمل اور شے کی خود اس ذلیل اور فاسد اور باطل اور لغو مقصدِ اصل [یعنی سرمایہ کی بڑھوتری] کے حصول کے ذریعہ کی حیثیت کی بنیاد پر متعین کرتی ہے۔

قران میں عقل کے استعمال کی حوصلہ افزائی:

قرآن مجید میں عقل کے استعمال اس قدر اہتمام سے کیا گیا ہے کہ کوئی صفحہ تفکر، تدبر، تذکر، تبصر، سے خالی نہیں قرآن مجید میں عقل علم و معرفت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

علم و معرفت:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ [59]

اے مسلمانو! اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں

"من بعد عقلوہ" سے مراد "عرفوه و علموه "انہوں نے اسے جان لیا اور پہچان لیا۔[60]

امام طاہر ابن عاشور عقل کی تفسیر قرآن کریم کی اس آیت کے تحت کرتے ہیں :

فلا تجعلوا لله أندادا وأنتم تعلمون[61]

"لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جب کہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔"یعنی یہاں علم سے مراد عقل تام ہے اوران کے نزدیک یہ جہل کے مقابل رائے ہے[62]

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو.[63]

لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ "تحقیق نازل کیاہے ہم نے تم پر ایسی کتاب جس میں تمہاراتذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے ؟" [64] قرآن وہ نعمت عظمیٰ ہے جوانسانیت کی طرف آئی اورخاص اہل عرب کی طرف کہ اہل عرب ہی اس کتاب کا اولین محل خطاب ہیں۔اس کے لیے ان کو اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ تم اسے سن کر اس پر غور وفکر نہیں کروگے ؟۔"

یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عقل سے مراد فہم وعلم ومعرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور وتعقل کی عظیم نعمتوں سے مالامال کیااوراس کے اندر ایسی اخلاقی حس رکھ دی ہے جس کی مدد سے وہ حق وباطل، نیکی و بدی اور سچ وجھوٹ میں فرق کر سکتا ہے۔ان نعمتوں اور احسانات کے درمیان انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کا امتحان لیا جائے۔پہلا امتحان عقل کا امتحان ہے کہ کون ہے جو اللہ کی دی ہوئی عقل وشعور کی قوت کو استعمال کر کے اپنے خالق کو پہچانتا ہے؟

جیسے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تفکر وتدبر کر کے ذریعے رب کی پہچان کی۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ[65]

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ[66]

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ[67]

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا ۚ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[68]

فی ظلال القرآن میں اسکی تشریح یوں بیان ہوئی

"حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا رب والٰہ مل جاتا ہے۔لیکن یہ الٰہ کسی چمکدار ستارے، کسی طلوع ہونے والے چاند اور نہ کسی بلند ہونے والے سورج یا کسی ایسی شکل میں نہیں جسے آنکھ دیکھ سکے ' کسی ایسی صورت میں نہیں جسے انسان چھو سکے ' بلکہ یہ الٰہ ان کے شعور، فطرت ، عقل اور فہم میں ہے اس پوری کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔وہ ان تمام مخلوقات کا خالق ہے جسے آنکھ دیکھ سکتی ہے جسے محسوس کیا جاسکتا ہے یا جس کا انسانی عقل ادراک کر سکتی ہے۔اب وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی اوران کی قوم کے درمیان مکمل جدائی کا وقت آگیا ہے۔آپ ان تمام معبودات باطلہ سے اپنی اعلانیہ برات کا اظہار کردیں اور دوٹوک انداز میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے ان کے نقطہ نظر اوران کے منہاج حیات اور مشرکانہ عقائد وخیالات کو یکسر رد کردیں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ یہ لوگ ذات کبریائی کے بالکل منکر نہ تھے لیکن صورت حال ایسی تھی کہ وہ لوگ

حقیقی الٰہ کے ساتھ ان جھوٹے خداؤں کو شریک کرتے تھے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) الٰہ العالمین کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے تھے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے تھے۔ تو ابراہیم پکار اٹھا ''اے برادران قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔
میں یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ہر گز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔
اب گویا ان کا رخ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کی طرف مڑ گیا اور اس قدر یکسوئی کے ساتھ مڑا کہ اس میں شرک کا شائبہ تک نہ رہا۔
انہوں نے فیصلہ کن بات کر دیں یقین محکم کا اظہار کر دیا اور آخری طور پر اپنا رخ متعین کر لیا۔ اب نہ تو کوئی تردد ہے' نہ الجھن۔ عقل وادراک اس طرح روشن ہو گئے جس طرح اس کا شعور اور ضمیر روشن تھے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اب اپنے ضمیر' اپنی عقل اور اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے وجود کے اندر اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں" [69]

خدا کے وجود سے متعلق عقلی ثبوت:

حق کی تلاش ایک فطری تلاش ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو وہ سب سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہے ۔ وہ کون ہے؟

کائنات کا خالق کون ہے؟ وہ موجود ہے یا نہیں؟ کیا وہ واحد ہے؟

ہر ایک نے ان سوالات کو تلاش کرنے کی اپنی سی جدوجہد کی کسی نے اس کو صوفیانہ تلاش سمجھا، کسی نے مراقبے کے ذریعے خدا کی دریافت کرنی چاہی، کسی نے یہ سمجھا کہ روحانی ریاضت کے ذریعے وہ اس کو پا سکتا ہے، کسی نے فلسفے سے، سائنس کے مشاہدات و تجربات سے اور عقل کے گھوڑے ڈوڑا کر سفر شروع کیا مگر منزل تک پہنچنے میں ناکام رہے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ چند امثال کے ذریعے پہلے سوال سے متعلق عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

دکان کی مثال:

اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ بازار میں ایک دُکان ایسی ہے جس کا کوئی دُکان دار نہیں ہے، نہ کوئی اُس میں مال لانے والا ہے، نہ بیچنے والا اور نہ کوئی اس کی رکھوالی کرتا ہے، دُکان خود بخود چل رہی ہے، خود بخود اس میں مال آجاتا ہے اور خود بخود خریداروں کے ہاتھوں فروخت ہو جاتا ہے تو کیا آپ اس شخص کی بات مان لیں گے؟ کیا آپ تسلیم کر لیں گے کہ کسی دکان میں مال لانے والے کے بغیر خود بخود بھی مال آسکتا ہے؟ مال بیچنے والے کے بغیر خود بخود فروخت بھی ہو سکتا ہے؟ حفاظت کرنے والے کے بغیر خود بخود چوری اور لوٹ سے محفوظ بھی رہ سکتا ہے؟ اپنے دل سے پوچھیے ایسی بات آپ کبھی مان سکتے ہیں؟ جس کے ہوش و حواس ٹھکانے ہوں کیا اس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ کوئی دکان دُنیا میں ایسی بھی ہو گی؟

کارخانے کی مثال:

شہر میں ایک کارخانہ ہے جس کا نہ کوئی مالک ہے، نہ انجنیئر، نہ مستری، سارا کارخانہ خود بخود قائم ہو گیا ہے۔ ساری مشینیں خود بخود بن گئی ہیں، خود ہی سارے پرزے اپنی اپنی جگہ لگ گئے ہیں، خود ہی سب مشینیں چل رہی ہیں، اور خود ہی ان میں سے عجیب عجیب چیزیں بن بن کر نکلتی رہتی ہیں۔ سچ بتایے جو شخص آپ سے یہ بات کہے گا آپ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگیں گے! آپ کو یہ شُبہ نہ ہو گا کہ اس کا دماغ تو کہیں خراب نہیں ہو گیا ہے؟ کیا ایک پاگل کے سوا ایسی بے ہودہ بات کوئی کہہ سکتا ہے؟

انسانی جسم کی ترکیب:

آدمی کا جسم جن اجزا سے مل کر بنا ہے ان سب کو سائنس دانوں نے الگ الگ کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کچھ لوہا ہے، کچھ کوئلہ، کچھ گندھک، کچھ فاسفورس، کچھ کیلسیم، کچھ نمک، چند گیسیں اور بس ایسی ہی چند اور چیزیں جن کی مجموعی قیمت چند روپوں سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ چیزیں جتنے جتنے وزن کے ساتھ آدمی کے جسم میں شامل ہیں، اتنے ہی وزن کے ساتھ انھیں لے لیجیے اور جس طرح جی چاہے ملا کر دیکھ لیجیے۔ آدمی کسی ترکیب سے نہ بن سکے گا۔ پھر کس طرح آپ کی عقل مان سکتی ہے کہ ان چند بے جان چیزوں سے دیکھتا، سنتا، بولتا، چلتا، پھرتا انسان، جو ہوائی جہاز اور ریڈیو بناتا ہے، کسی کاری گر کی حکمت کے بغیر خود بخود بن جاتا ہے؟

ماں کے پیٹ کی چھوٹی سی فیکٹری میں کس طرح آدمی تیار ہوتا ہے؟ ماں کی حکمت کا اس میں کوئی کام نہیں۔ ایک ذرا سی تھیلی میں دو کیڑے جو خُرد بین کے بغیر دیکھے تک نہیں جا سکتے، نہ معلوم کب آپس میں مل جاتے ہیں۔ ماں کے خون ہی سے انھیں غذا پہنچنی شروع ہو جاتی ہے۔ وہیں سے لوہا، گندھک، فاسفورس وغیرہ تمام چیزیں جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے، ایک خاص وزن اور خاص نسبت کے ساتھ وہاں جمع ہو کر لوتھڑا بنتی ہیں۔ پھر اس لوتھڑے میں جہاں آنکھیں بنی چاہییں وہاں آنکھیں بنتی ہیں، جہاں کان بننے چاہییں وہاں کان بنتے ہیں۔ جہاں دماغ بننا چاہیے وہاں دماغ بنتا ہے، جہاں دل بننا چاہیے، وہاں دل بنتا ہے... ہڈی اپنی جگہ پر، گوشت اپنی جگہ پر، غرض ایک ایک پرزہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ پھر اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ دیکھنے کی طاقت، سننے کی طاقت، چکھنے اور سونگھنے کی طاقت، بولنے کی طاقت، سوچنے اور سمجھنے کی طاقت اور نہ جانے کتنی بے حد وحساب طاقتیں اس میں بھر جاتی ہیں۔ اس طرح جب انسان مکمل ہو جاتا ہے تو پیٹ کی وہی چھوٹی سی فیکٹری جہاں نو مہینے تک وہ بن رہا تھا، خود زور کر کے اسے باہر دھکیل دیتی ہے۔ اس فیکٹری سے ایک ہی طریقے پر لاکھوں انسان روز بن کر نکل رہے ہیں۔ مگر ہر ایک کا نمونہ جدا ہے۔ شکل جدا، رنگ جدا، آواز جدا، قوتیں اور قابلیتیں جدا، طبیعتیں اور خیالات جدا، اَخلاق اور صفات جدا۔ ایک ہی ماں کے پیٹ سے نکلے ہوئے دو سگے بھائی تک ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔

یہ ایک ایسا کرشمہ ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اس کرشمے کو دیکھ کر بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کام کسی زبردست حکمت والے، زبردست قدرت والے، زبردست علم اور بے نظیر کمالات والے خدا کے بغیر ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یقیناً اس کا دماغ درست نہیں ہے، اسے عقل مند سمجھنا عقل کی توہین کرنا ہے۔ کم از کم میں تو ایسے شخص کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کسی معقول مسئلے پر اس سے گفتگو کروں۔"[70]

مذکورہ بالا دلائل یہ سے واضح ہے کہ کوئی بھی چیز اپنے بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی تو اتنی بڑی کائنات ایک خود بخود دھماکے سے وجود میں نہیں آسکتی۔

خالق واحد ہے:

ہر شخص کی عقل اس بات کی گواہی دے گی کہ دُنیا میں کوئی کام بھی خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کبھی باضابطگی، باقاعدگی سے نہیں چل سکتا جب تک کہ کوئی ایک شخص اس کا ذمہ دار نہ ہو۔ایک مدرسہ کے دو ہیڈ ماسٹر، ایک محکمے کے دو ڈائریکٹر، ایک فوج کے دو سپہ سالار، ایک سلطنت کے دو رئیس یا بادشاہ کبھی آپ نے سنے ہیں؟اور کہیں ایسا ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک دن کے لیے بھی انتظام ٹھیک ہو سکتا ہے؟آپ اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں اس کا تجربہ کرتے ہیں کہ جہاں کوئی کام ایک سے زیادہ آدمیوں کی ذمے داری پر چھوڑا جاتا ہے وہاں سخت بدانتظامی ہوتی ہے، لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، اور آخر ساجھے کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹ کر رہتی ہے۔انتظام، باقاعدگی، ہمواری اور خوش اسلوبی دُنیا میں جہاں کہیں بھی آپ دیکھتے ہیں وہاں لازمی طور پر ایک طاقت کارفرما ہوتی ہے، کوئی ایک ہی وجود بااختیار و اقتدار ہوتا ہے، اور کسی ایک کے ہاتھ میں سررشتہ کار ہوتا ہے۔ اس کے بغیر انتظام کا آپ تصوّر نہیں کر سکتے۔

یہ ایسی سیدھی بات ہے کہ کوئی شخص جو تھوڑی سی عقل بھی رکھتا ہو اُسے ماننے میں تامل نہ کرے گا۔اس بات کو ذہن میں رکھ کر ذرا اپنے گردوپیش کی دُنیا پر نظر ڈالیے۔یہ زبردست کائنات جو آپ کے سامنے پھیلی ہوئی ہے، یہ کروڑوں سیارے جو آپ کو گردش کرتے نظر آتے ہیں، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں، یہ چاند جو راتوں کو نکلتا ہے، یہ سورج جو صبح کو طلوع ہوتا ہے، یہ زہرہ، یہ مریخ، یہ عطارد، یہ مشتری اور یہ دوسرے بے شمار تارے جو گیندوں کی طرح گھوم رہے ہیں، دیکھیے! ان سب کے گھومنے میں کیسی سخت باقاعدگی ہے۔ کبھی رات اپنے وقت سے پہلے آتی ہوئی آپ نے دیکھی؟ کبھی دن وقت سے پہلے نکلتے دیکھا؟ کبھی چاند زمین سے ٹکرایا؟ کبھی سورج اپنا راستہ چھوڑ کر ہٹا؟ کبھی کسی اور ستارے کو آپ نے ایک بال برابر بھی اپنی گردش کی راہ سے ہٹتے ہوئے دیکھا یا سنا؟ یہ کروڑہا سیارے جن میں سے بعض ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے ہیں اور بعض سورج سے بھی ہزاروں گنا بڑے، یہ سب گھڑی کے پرزوں کی طرح ایک زبردست ضابطے میں کَسے ہوئے اور ایک بندھے ہوئے حساب کے مطابق اپنی اپنی مقررہ رفتار کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ راستے پر چل رہے ہیں۔نہ کسی کی رفتار میں ذرّہ برابر فرق آتا ہے، نہ کوئی اپنے راستے سے بال برابر ٹل سکتا ہے۔ان کے درمیان جو نسبتیں قائم کر دی گئی ہیں، اگر ان میں ایک پل کے لیے بھی ذرا سا فرق آجائے تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ جس طرح ریلیں ٹکراتی ہیں اِسی طرح سیارے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔

یہ تو آسمان کی باتیں ہیں۔ذرا اپنی زمین اور اپنی ذات پر نظر ڈال کر دیکھیے، اس مٹی کی گیند پر یہ سارا زندگی کا کھیل جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ سب چند بندھے ہوئے ضابطوں کی بدولت قائم ہے۔زمین کی کشش نے ساری چیزوں کو اپنے حلقے میں باندھ رکھا ہے۔ایک سیکنڈ کے لیے بھی اگر وہ اپنی گرفت چھوڑ دے تو سارا کارخانہ بکھر جائے۔اس کارخانے میں جتنے کل پرزے کام کر رہے ہیں، سب کے سب ایک قاعدے کے پابند ہیں اور اس قاعدے میں کبھی فرق نہیں آتا۔ ہَوا اپنے قاعدے کی پابندی کر رہی ہے، پانی اپنے قاعدے میں بندھا ہوا ہے۔روشنی کے لیے جو قاعدہ ہے اس کی وہ مطیع ہے۔ گرمی اور سردی کے لیے جو ضابطہ ہے اس کی وہ غلام ہے۔ مٹی، پتھر، دھاتیں، بجلی، اسٹیم، درخت، جانور کسی میں یہ مجال نہیں کہ اپنی حد سے بڑھ جائے یا اپنی خاصیتوں کو بدل دے، یا اس کام کو چھوڑ دے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ پھر اپنی حد کے اندر، اپنے ضابطے کی پابندی کے ساتھ، اس کارخانے کے سارے پُرزے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں، اور دُنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سب اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ ساری چیزیں اور ساری قوتیں مل کر کام کر رہی ہیں۔

یہ زبردست انتظام، یہ حیرت انگیز باقاعدگی، یہ کمال درجے کی ہمواری، یہ زمین وآسمان کی بے حد وحساب چیزوں، اور طاقتوں میں کامل موافقت آخر کس وجہ سے ہے؟ کروڑوں برس سے یہ کائنات یوں ہی قائم چلی آرہی ہے۔ کیوں ان میں لڑائی نہیں ہوتی؟ کیوں فساد برپا نہیں ہوتا؟ کس چیز کی وجہ سے یہ سب ایک انتظام میں بندھے ہوئے ہیں؟ اس کا جواب اپنے دل سے پوچھیے۔ کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتا کہ ایک ہی خدا اس ساری کائنات کا بادشاہ ہے، ایک ہی ہے جس کی زبردست طاقت نے سب کو اپنے ضابطے میں باندھ رکھا ہے؟ اگر دس بیس نہیں دو خدا بھی اس کائنات کے مالک ہوتے تو یہ انتظام اس باقاعدگی کے ساتھ کبھی نہ چل سکتا۔ ایک ذرا سے مدرسے کا انتظام تو دو ہیڈ ماسٹروں کی ہیڈ ماسٹری برداشت نہیں کر سکتا پھر بھلا اتنی بڑی زمین وآسمان کی سلطنت دو خداؤں کی خدائی میں کیسے چل سکتی تھی؟

پس واقعہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ دُنیا کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بنی ہے بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اسے ایک ہی نے بنایا ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اس دُنیا کا انتظام کسی حاکم کے بغیر نہیں چل رہا ہے، بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ حاکم ایک ہی ہے دَر حقیقت اس مکمل تنظیم میں ایک سے زیادہ حاکموں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا کی خدائی میں خود خدا کے سوا کسی کا حکم چلنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ جنھیں اس نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے، جو اس سے بے نیاز ہو کر خود اپنے بل بوتے پر ایک لمحے کے لیے بھی موجود نہیں رہ سکتے، ان میں سے کسی کی یہ حیثیت کب ہو سکتی ہے کہ خدائی میں اس کا حصے دار بن جائے؟ کیا کسی نوکر کو آپ نے ملکیت میں آقا کا شریک ہوتے دیکھا ہے؟ کیا آپ کی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ کوئی مالک اپنے غلام کو اپنا سا جھی بنالے؟ کیا خود آپ سے کوئی شخص اپنے ملازموں میں سے کسی کو اپنی جائداد میں یا اپنے اختیارات میں حصے دار بناتا ہے؟ اس بات پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ خدا کی اس سلطنت میں کسی بندے کو خود مختارانہ فرماں روائی کا کوئی حق حاصل ہی نہیں ہے، ایسا ہونا نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے، بلکہ عقل اور فطرت کے خلاف بھی ہے بلکہ حق کے خلاف بھی ہے۔"[71]

منکرین خدا سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ [72]

ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی بھی چیز عدم سے وجود میں نہیں آسکتی اس لیے کہ آج تک اس کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے کہ خود بخود عدم سے بغیر کسی سبب کے کوئی چیز وجود میں آجائے۔ کوئی نہ کوئی ہستی ضرور ہونی چاہیے جس نے اس حیرت انگیز کائنات کو پیدا کیا ہے

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا۔[73]

اللہ تعالیٰ سوال کرتا ہے کہ کیا انسان خالق کے بغیر خود ہی پیدا ہو گئے ہیں؟ جب دنیا میں کوئی معمولی سی مشین خود بخود وجود میں نہیں آسکتی ہے تو انسان جیسی پیچیدہ مخلوق کیسے وجود میں آسکتی ہے؟ انسان اربوں خلیات کا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک روحانی وجود کے ساتھ شعور، ادراک واستدلال کی قوتیں بھی رکھتا ہے۔ دوسرا سوال اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ کیا انسان نے خود انسان کی تخلیق کی ہے؟ انسان سے بڑھ کر عقلمند مخلوق کائنات میں ابھی

تک انسان کے علم میں نہیں آئی ہے۔ لیکن کیا دنیا میں اب تک کسی انسان نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ایک انسان نے انسان کی تخلیق کی ہے ؟ نہیں۔ لہٰذا ان دو سوالوں کا جواب نفی میں ہو گا کہ نہ انسان خود بخود پیدا ہوا ہے اور نہ ہی انسان نے انسان کی تخلیق کی ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۞ أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ۞ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۞

ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے ؟ کبھی تم نے غور کیا، یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں ؟ [74]

افَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۔ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۔ کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا اُن کے اُگانے والے ہم ہیں ؟ [75]

اَفَرَأَيْتُمُ الْمَاء الَّذِي تَشْرَبُونَ ۔ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۔ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو اِسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اِس کے برسانے والے ہم ہیں ؟ [76]

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۔ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِؤُونَ ۔ کبھی تم نے خیال کیا، یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اِس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں ؟ [77]

سورۃ الواقعہ کی مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کو اپیل کرنے والے ایسے سوالات کیے ہیں جن کے کوئی جوابات انسان کے پاس اس کے سوا نہیں ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جس نے نہ صرف انسانوں کی تخلیق کی ہے بلکہ اس کرۂ ارض پر انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے نباتات کو پیدا فرمایا، پانی کو برسایا اور آگ بھی پیدا کی جس کے بغیر انسانی زندگی محال تھی۔ وہی خالق ہے جس نے انسان کو ان احتیاجات کے ساتھ پیدا کیا گیا جن کی تکمیل کے بغیر اس کی زندگی اس کرۂ ارض پر ممکن نہیں ہے۔

خدا کی تلاش کا صحیح راستہ :

خدا کی دریافت میں سائنس دانوں، مفکرین، ملحدین سے جو غلطی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ظاہری آنکھ سے رب کو دیکھ کر ہی ایمان لانے کا سفر شروع کیا تھا حالانکہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا جواب دیا تھا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗۙ-قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَؕ-قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْۚ-فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًاۚ-فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ

اور جب موسیٰ ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور

چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گر اپے ہوش پھر جب ہوش ہوا بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں[78]

انسان کے لئے براہ راست رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ تخلیق میں غور و فکر کرنا تخلیق گویا خالق کی معرفت کا آئینہ ہے۔

کائنات کی تخلیق اور نظم کی نشانی:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کو ایک بہت بڑی نشانی قرار دیا ہے تاکہ عقل والے اس سے اللہ کے وجود اور اس کی حکمت کو سمجھیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ[79]

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوئوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تونے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

آسمان کی تخلیق میں اتنے معجزات پوشیدہ ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر ایک انصاف پسند اور سلیم الفطرت انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اتنا منظم اور اعلی درجے کا نظام کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتا اور نہ کسی چلانے والے کی نگرانی کے بغیر چل سکتا ہے۔

قُلِ انظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِى الْاٰيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ[80]

کائنات میں ہمارا سفر زمین سے شروع ہوتا ہے۔ زمین پر کھڑے ہوں تو یہ چپٹی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن در حقیقت ہماری زمین بیضوی شکل کا ایک حصہ ہے۔ نظام شمسی کے وسط میں سورج (Solar System) سیارہ ہے جو سورج کے گرد مخصوص راستے پر چکر لگا رہی ہے۔ یہ نظام شمسی اور (Star) واقع ہے جس کے گرد سیارے اور سیارچے خاص راستوں پر گھومتے ہیں، ان راستوں کو سیاروں کے مدار کہا جاتا ہے۔ ستارے میں فرق یہ ہے کہ ستارہ خود روشن ہوتا ہے جبکہ سیارہ خود روشن نہیں ہوتا اور دوسرے ستاروں سے آنے والی روشنی کو منعکس کرنے کی وجہ سیارے سے روشن نظر آتا ہے مثلاً سورج ایک ستارہ ہے جس کے اندر ہر وقت ہونے والے ایٹمی دھماکوں سے روشنی پیدا ہوتی ہے جو اسے روشن رکھتی ہے اور زمین ایک سیارہ ہے کیوں کہ اس کی اپنی روشنی نہیں ہے بلکہ یہ سورج سے آنے والی روشنی کو منعکس کرتی ہے۔ ستاروں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ کہکشاں میں ستاروں کی تعداد اربوں ہو سکتی ہے۔ ہماری زمین کا قطر تقریباً 12756 کلو میٹر ہے۔ جبکہ یہ سورج کے گرد ایک کہکشاں لاکھ سات ہزار کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ غور کریں کہ خالقِ کائنات نے کیسا زبردست نظام بنایا ہے کہ اس قدر تیز رفتاری کے باوجود زمین پر موجود مخلوقات کو اس کی حرکت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرنے میں زمین کو ایک سال لگتا ہے اور اس عرصے میں وہ تقریباً چھیانوے کروڑ کلو میٹر کا سفر طے کرتی ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں سمجھیے کہ جتنی دیر میں آپ آنکھ جھپکتے ہیں اتنی دیر میں زمین ڈیڑھ ہزار کلو میٹر سے زیادہ کا فاصلہ طے کر جاتی ہے۔ ہوائی جہاز اور زمین کی رفتار کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ جتنا فاصلہ زمین ایک سیکنڈ میں طے کرتی ہے، ہوائی جہاز وہ فاصلہ ایک گھنٹے میں بھی طے نہیں کر پاتا۔ لیکن دیکھیے کہ ہوائی جہاز کے برعکس زمین کی حرکت کے دوران ذرا سا

ارتعاش بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ کسی حکیم ہستی نے زمین کو کمال مہارت سے بنایا ہے کہ اپنے بڑے سائز اور انتہائی رفتاری کے باوجود اس پر موجود انسان کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کسی متحرک شئے پر سفر کر رہا ہے۔

ہمارے نظام شمسی کا دوسرا اہم اور سب سے بڑا رکن سورج ہے۔ اس کا قطر تقریباً 1391016 کلو میٹر ہے۔ یہ اتنا بڑا ستارہ ہے کہ اس کے اندر تیرہ لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ سورج ہمیں ہمہ وقت 3.83 × 10 26 واٹ کے برابر روشنی فراہم کر رہا ہے۔ یہ اللہ تعالی کی کتنی بڑی نشانی ہے کہ زمین پر بسنے والے انسانوں کے لیے لاکھوں کلو میٹر دور سے روشنی اور حرارت کا انتظام فرمایا۔ ہم زمین پر موجود تمام وسائل استعمال کر لیں تب بھی ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے لیے روشنی کی اتنی بڑی مقدار پیدا کر سکیں۔ ذرا سوچیں کہ اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی یا آج یہ روشنی ختم ہو جائے تو زمینی مخلوقات کا انجام کیا ہوگا۔

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيكُم بِضِيَاء اَفَلَا تَسْمَعُونَ[81]

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ "

زمین کی نشانیوں سے وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل :

ارشاد ربانی ہے کہ

إِنَّ اللهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ[82]

بے شک اللہ تعالی دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالنے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا یہ ہے اللہ! تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔"اس آیت میں اللہ تعالی نے الوہیت اور اپنے وجود پر اس طرح دلیل بیان کی کہ ایک باریک دانہ کو چیر کر اللہ تعالی اس میں ایک کونپل پیدا کرتا ہے، وہ کونپل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی نمی رہ جائے گی، اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے، پھر نچلے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصے سے ایک تناور درخت بن جاتا ہے جس میں شاخیں ہوتی ہیں- پھر ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں، شگوفے کھلتے ہیں، مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں- جبکہ یہ تمام پھل ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، تمام پھل ایک ہی سورج سے پک کر تیار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش کے ظاہری اسباب زمین، پانی اور سورج کی حرارت ہیں ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے پھر ان کے ذائقے مختلف کیوں ہیں؟ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ یا بیج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوی یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ نہیں ہرگز ہرگز نہیں، پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ بلاوجہ بلادلیل اور بلادعویٰ کے کسی اور کو اللہ تعالی کا شریک مان لیں؟۔

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالی پر دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اللهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ **اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرمادیا ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کررہا ہے، وہی دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو"[83] اللہ تعالیٰ اس آیت میں واضح ہوا کہ اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ کوئی چھت بغیر ستونوں یا دیواروں کی ٹیک کے قائم نہیں ہوسکتی تو جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بغیر کسی ٹیک اور سہارے کے بلند کردیا تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے ماوراء ہے**

حسی اور فطری مشاہدات سے وجود باری تعالیٰ کی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی پیدائش سے قبل ان سے اپنے ربِ ذوالجلال والاکرام ہونے، وحدہ لاشریک ہونے اور واجب الوجود ہونے کا عہد لے کر اپنے وجود کے تصور اور عقیدے کو انسانیت کی فطرت وجبلت میں داخل بلکہ راسخ کردیا کہ تمہارا رب وحدہ لاشریک موجود ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے-

:اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَ إِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ

اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے انکی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے " کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی"[84] یہی وجہ ہے کہ مشرکین جب کہیں مشکل میں پھنس جاتے تھے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے کیونکہ اس وقت ان کی عقل وخرد اُن کے اپنے مصنوعی خداؤں سے مایوس اور بیزار کردیتی تھی اور فطرت و جبلت ان کو ازلی خدا، رب وحدہ لاشریک کی طرف مائل کردیتی تھی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[85]

اور اگر تم اُن سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ اُن میں اکثر جانتے نہیں-

سورہ الاسراء میں فرمایا

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا

اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا جنہیں پوجتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو" منہ پھیر لیتے ہو اور آدمی بڑا ناشکرا ہے۔[86]

ایجاد اور تخلیق سے وجود باری تعالیٰ پر دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ-اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ-وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ-ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ۔ "اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے تو اسے غور سے سنو، بیشک اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ ہر گز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ سب اس کیلئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔ کتنا کمزور ہے چاہنے والا اور وہ جسے چاہا گیا۔"[87]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ چیلنج کر رہا ہے کہ اگر رب کے سوا کوئی دوسرا معبود ہے تو وہ کم اور حقیر ترین شے "مکھی" کو پیدا کر کے دکھائے۔ اگر وہ یہ بھی پیدا نہیں کر سکتا تو اسے رب کے وجود کو تسلیم کرنا ہو گا۔

خود انسان کی تخلیق اور جسم کی ساخت:

اللہ نے قرآن میں انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ انسان کی جسمانی ساخت، اس کا نظامِ حیات، اس کے اعضا کی ترتیب، یہ سب اللہ کی عظمت اور اس کی حکمت کا واضح ثبوت ہیں۔

"وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ "[88] اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟"

اس آیت میں اللہ انسان کو اپنی ذات کی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انسان کا جسم، اس کی پیچیدہ ساخت، اور اس کے اندر کام کرنے والے تمام نظام (دل، دماغ، خون کی گردش، اور دیگر اعضا) یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کا خالق ایک عظیم ہستی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ان تمام مظاہرِ قدرت میں غور و فکر اور تدبر کرے کہ یہ تمام چیزیں متغیر اور حادث ہیں اور ان کا حدوث اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے، دائم ہے، قدیم ہے اور واجب الوجود ہے۔

ایمان اور عقل کے متعلق افراط و تفریط :

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں :

یہ اسلام سراسر علمی و عقلی مذہب ہے، اس لیے اس کا صحیح اتباع بھی علم اور عقل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہر ہر قدم پر تفقہ اور تدبر کی ضرورت ہے۔ جو شخص اس مذہب کی روح سے ناآشنا ہو، اس کی حکمتوں سے ناواقف ہو، اس کے اصول کو نہ سمجھتا ہو، اس کی تعلیم میں غور و فکر نہ کرتا ہو، وہ اس راہ راست پر استقامت کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا جس کی طرف یہ مذہب رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کا عقیدہ بے قیمت ہے جب تک کہ وہ زبانی

اقرار سے گذر کر فکر و شعور پر حاوی نہ ہو گیا ہو۔اس کا عمل بے اثر ہے جب تک کہ وہ علم اور فہم کی رُوح سے معمور نہ ہو جائے۔اس کا اتباع قانون بے معنی ہے جب تک کہ قانون کی سپرٹ اس کے جوارح سے گذر کر اس کے دل ودماغ پر چھا نہ گئی ہو۔اگر محض تقلید کی راہ سے وہ بغیر سمجھے بوجھے اس مذہب کی صداقت پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا اتباع کر رہا ہو، تو اس کا ایمان اور اتباع بالکل ایک ریت کے تودے کی طرح ہو گا جسے ہوا کا ہر جھونکا اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ جما سکتا ہے۔ایسے جاہل کے ایمان اور اندھے کے اتباع میں کوئی پائیداری نہیں ہو سکتی۔ [89]

مولانا صدرالدین لکھتے ہیں کہ

"لوگوں کا یہ غلط تصور ہے کہ مذہب کا تعلق صرف دل سے ہے، عقل سے اس کا کوئی رشتہ نہیں حالانکہ دین ومذہب کے باب میں دل اور عقل کی تفریق ایسی ہی غلط اور غیر قرآنی ہے جیسی کہ دین اور سیاست کی تفریق۔ایمانیات کے بارے میں عقل کوئی رہنمائی نہیں دے سکتی قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ایسی کوئی آیت نہیں ملتی جس کی بناء پر اس سوال کا جواب اثبات میں دیا جائے اس کے بخلاف وہ عقل وتدّبر ہی کو بنائے ایمان قرار دیتا ہے اس قسم کے جملوں سے قرآن مجید کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔

"پھر اس {پانی} سے ہم نے مختلف اقسام کی نباتات اگائیں {اور تم سے کہا کہ} خود کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بلاشبہ اس کے اندر عقل والوں کے لئے {توحید باری پر کھلی} دلیلیں ہیں"[90]

"بلاشبہ ان چیزوں کے اندر صاحب خرد کے لئے {جزا کی} ایک بڑی شہادت ہے"[91] اس طرح کی آیات میں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ ایمان کی دولت صرف ان لوگوں کو میسر ہوتی ہے جو عقل والے ہوں اور اپنی عقل سے صریح طریقے پر کام لینا بھی جانتے ہوں۔ایمان کے باب میں عقل کا نام سب سے پہلے آتا ہے اس کے بغیر بات شروع ہی نہیں ہو سکتی چنانچہ دعوت قرآنی نے اپنا پہلا خطاب جس شے کو قرار دیا وہ یہی عقل ہے ثبوت کے لئے وہ آیت دیکھئے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت بیان کیے گئے ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ١ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے۔جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے [92]

یہ آیت رسالت کے فرائض منصبی چار متعین کرتی ہے اور ان کی منطقی ترتیب بھی بتائی ہے ان میں سب سے پہلا فرض "تلاوت آیات" ہے قرآن مجید میں یہ آیت تھوڑے سے فرق کے ساتھ چار مقامات پر آئی ہے اور ہر جگہ تلاوت آیات ہی کا سب سے پہلے تذکرہ کیا گیا ہے تلاوت آیات کا مدعا یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیتے ہیں بلکہ "آیات" کے معنی دلائل وشواہد کے ہیں ۔قرآن نے فواد {قلب} کے ساتھ بلکہ اس سے پہلے ہی "سمع وبصر {غور وفکر کے ذرائع} کو بھی مخاطب کیا ہے"[93]

ایمان باللہ میں عقل کا مقام/حدود:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اور یہ بڑے کام کی چیز ہے لیکن یہ اس وقت تک کام کی چیز ہے جب اس کو اس کے دائرے میں استعمال کیا جائے لیکن اگر دائرے سے باہر استعمال کیا جائے تو یہ کام نہیں دے گی۔ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے سونا تولنے کا کانٹا، یہ چند گرام سونا تول لیتا ہے اور بس اس حد تک کام دیتا ہے کیونکہ اسے صرف سونا تولنے کے لئے بنایا گیا تھا اگر کوئی شخص اس کانٹے میں پہاڑ کو تولے اور اس کے نتیجے میں کانٹا ٹوٹ جائے پھر کوئی شخص کہے کہ یہ بیکار چیز ہے، اس لیے کہ اس میں پہاڑ نہیں تولتا ایسے شخص کو پوری دنیا احمق کہے گی بات در اصل یہ ہے کہ اس نے کانٹے کو غلط جگہ استعمال کیا۔ عقل کی ایک ایسی سرحد آتی ہے جہاں کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ جیسے الٰہی حقائق یا غیبی امور کی بات ہو، جو انسانی ذہن کی پہنچ سے باہر ہیں۔ ایمان کا تعلق دل اور روح سے بھی ہے، جو عقل سے ماوراء ہے، مثلاً اللہ کی ذات { کیونکہ اللہ تعالیٰ ازلی، لامحدود اور ابدی ذات ہے } ، اسکی صفات جیسے رحم، عدل، قدرت، اور علم، انسان کے فہم میں کسی حد تک آسکتی ہیں، مگر ان کی حقیقی نوعیت اور کمال کو عقل پوری طرح نہیں سمجھ سکتی اور تقدیر جیسے امور ایسے ہیں جنہیں صرف عقل سے مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ اس لیے، عقل کا کام ایمان کے راستے کی رہنمائی کرنا ہے، خدا کی ذات کی پہچان دینا ہے اس سے آگے اسکی حد ختم ہو جاتی ہے اسی ضرورت کے لیے انسان کو تیسرا ذریعہ علم دیا ہے جو وحی الٰہی ہے۔ اللہ کے وجود اور اس کی صفات کی معرفت اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگی کے تقاضوں کا پتہ کیسے چلتا ہے یہ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کے ابتدائی حصے میں بتایا گیا ہے کہ اپنے ارد گرد پھیلی دنیا اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر اور ان پر تفکر کے نتیجے میں معرفت حاصل ہو جاتی ہے اپنی عقل کو اس درست راستے پر استعمال کرنے والا یہ پکار اٹھتا ہے کہ "اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد پیدا نہیں کیا۔"[94]

ایک بالغ نظر فرد توحید سے معیاد کا سفر اپنی عقل سلیم کے ذریعے کر سکتا ہے اس کے بعد اسے اپنے سفر کی بھاگ ڈور وحی الٰہی کو دینی ہو گی عقل یہ تو بتا سکتی ہے کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے جس نے تخلیق بلا سبب نہیں کی اس کا لازمی نتیجہ خود انسان کے اپنے وجود کی بلا مقصد تخلیق کی نفی اور اس کے خالق کے سامنے جوابدہی ہے اور اس میں خالق کو ناراض کرنے کا خطرہ لاحق ہے لیکن اس جوابدہی سے کامیابی کے ساتھ گذرنے کا لائحہ عمل کیا ہو گا اس کی خبر کے لئے خالق کے متعین کردہ ہادی کی حاجت ہے۔

"اللہ کی صفات کے تفصیلی علم کے لیے انسان اپنی عقل اور اپنے اجتہاد پر ہر گز کوئی اعتماد نہیں کر سکتا، اور ضروری ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی طرف رجوع کرے کیونکہ عقل اس قابل قطعاً نہیں کہ صفات الٰہی کا مجمل ایمان حاصل ہو چکنے کے بعد ان کے تفصیلی تقاضوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ وہ خود ہی کر لے اگر ایسا ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور شریعتیں نازل کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہی نہ تھی"[95] لا تبلغه الأوہام ولا تدركه الأفہام ولا يشبہ الأنام " انسانی اوہام وخیالات اللہ تعالیٰ کی ذات تک نہیں پہنچ سکتے (اس کا تصور نہیں کر سکتے) " اور نہ ہی لوگوں کی فہم اور عقل اس کی حقیقت کا ادراک کر سکتی ہیں اور وہ کسی مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔[96]

ولا یحیطون بہ علما [97] لوگوں کا علم اللہ تعالیٰ کا احاطہ اور ادراک نہیں کر سکتا، اور ایک دوسری جگہ ہے: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَيْءٌ [98] کوئی چیز اس کے جیسی نہیں ہے۔ابن ابی العز حنفی نے فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ کو صرف اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات سے پہچان سکتے ہیں، باقی وہ کیسا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت اور اس کی باریکی کو کوئی نہیں جانتا، دنیا میں جاگتی ہوئی ان آنکھوں سے اس کو کسی نے نہیں دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے، اس کو نشانیوں اور صفتوں سے سب پہچانتے ہیں۔"[99]

خلاصہ :

ایمان باللہ میں عقل کا مقام و کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔عقیدے کے مطابق ایمان باللہ کا معنی اللہ کی واحد و یکتا ذات و صفات پر یقین، اور اُس کی ذات کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرنا ہے۔اللہ کی پہچان انسان اپنی عقل کے ذریعے کائنات کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے کرتا ہے۔ عقل در اصل اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کی حیثیت راہ دکھانے والے چراغ کی سی ہے جو کہ کائناتی مافوق الفطرت حقیقتوں سے روشناس کرواتا ہے۔قرآن مجید میں عقل کے استعمال پر زور دیا گیا ہے۔ عقل کے استعمال میں افراط و تفریط کے نظریے نے دنیا کو کئی جہتوں میں منقسم کر دیا ہے یہی تفریق دنیا میں فسادات کا سبب بنی۔ عقل، وحی الہی کے بغیر بے لگام گھوڑے کی سی ہے۔ عقل کی حد، وحی الہی ہے اسی کی بتائی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں جب اپنے تسخیری سفر کا آغاز کرتی ہے تو اللہ کی ذات و صفات و اختیارات سے کماحقہ روشناس ہو پاتی ہے۔ اور تسلیم و رضا کی یہی کیفیت مالک کے سامنے ایک فرمانبردار غلام کی حیثیت سے پیش کرتی ہے یہاں تک کہ انسان خلیل اللہ کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔

حوالہ جات

1. سورۃ الملک ١۶
2. سورہ الملک ١٧
3. سورۃ الاعراف ٩٩

4. سورہ الحشر ٢٣
5. ابن منظور، لسان العرب، 13:23
6. ج:١،ص:۶٠،ط:دارالکتاب العربی ،بیروت)
7. (ج:۵،ص:١٢٩،ط:دارالمعرفہ بیروت)
8. (ج:۴،ص:٢٢١،ط:سعید)
9. فتح الملہم :١۵٢/١، {نعم الباری شرح البخاری ، ج ١ ، ص ١٩٨}

10. آل عمران ١٩٣:٣
11. سورۃ البقرۃ :٢٨۵

12. فی ظلال القرآن ، {سید قطب شہید مترجم سید معروف شاہ شیرازی ج اول ، ص ۵٢٠،۵٢١}
13. صحیح بخاری, کتاب الایمان تاریخ اشاعت :۶ اپریل٢٠١٧
14. دستور العلماء ، ج ٣ ، ص ٣٠٣ حدیث نمبر ۵٠

15. (الطور:٣۵)
16. قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ٣٣، ٣۴ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ منصورہ ملتان روڈ لاہور
17. سورۃ یوسف الایۃ ٢٣:١٢
18. سورۃ الشعراء الایۃ ٨٠-٢۶:٧٧

19. سورۃ الانعام ٣٨:٦
20. سورہ آل عمران ٦٣:٣
21. سورۃ الصافات ١۴٠: ٣٤
22. قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ١٣ اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ منصورہ ملتان روڈ لاہور
23. سورۃ القصص ٢٨ : ۴٠

24. سورۃ البقرۃ : ٢۵۵
25. https://quran-tafsir.net/
26. فی ظلا ل القرآن مترجم سید معروف شاہ شیرازی ج اول ص ۵۵۵

27. ماخوذ از: " النصيحة في صفات الرب جل وعلا "ص ٣١-٣٢[1]
28. سورۃ الشوریٰ:آیت١١
29. (سورۃ یونس:١٠٠)
30. " (تدبر قرآن، سورہ یونس : ١٠٠ ، ج ۴ ، ص ١۶)۔

31. ابن منظور ، لسان العرب المحیط {بیروت : دار لسان العرب اعداد تصنیف ، س ن }٢/٨٣۵۔
32. عبد الرحمن کیلانی ، مترادفات القرآن لاہور : مکتبۃ السلام مئی ٢٠٠٩ ص ٦٣٢۔
33. https://www.almaany.com/

34. ابی خاتم محمد الحبان البستی ، روضۃ العقلاء و نزہۃ الفضلاء ، ص ١٦
35. سورۃ الانفال :٢٢

36. سورۃ البقرۃ ٢۵٨
37. https://quran-tafsir.net/
38. فی ظلال القرآن مترجم سید معروف شاہ شیرازی ج اول ،ص ٣٣٨

39. سورۃ النازعات الایۃ ۲۳
40. سورۃ الزخرف الایۃ ۵۱
41. تنقیحات از سید ابو الاعلیٰ مودودی باب دوم ہندوستان میں اسلامی تہذیب کا انحطاط ، ص ۲٦
42. تحریک عقلیت ، تحریک تجدد ، تحریک احیاء از مفتی محمد عمران ۲۰۱۸۔۰۲۔۲۳

43. روزنامہ دنیا ، سائنس میں کائنات کو خدا بنانے کی کوشش کیوں ؟ تحریر امیر حمزہ ۲۰۲۲۔۱۲۔۲۳
44. امت مسلمہ کا فائنل رول از مولانا وحید الدین ، سائنس سے معرفت تک ۔
45. [1]/https://www.facebook.com/share/p/1JpMvaYyhL
46. https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%B5%D9%81%D8%AD%DB%82_%D8%A7%D9%88%D9%84
47. تصور خدا از ارشد محمود ص ۹۰

48. الحاد مغرب اور ہم از ڈاکٹر غلام جیلانی برق ، ص ۱۳
49. خدا کی دریافت از مولانا وحید الدین ، باب تصور خدا ۔
50. اظہار دین از مولانا وحید الدین ص ۳۳
51. /https://www.goodreads.com
52. [1] Dukas, Helen (1981). *Albert Einstein the Human Side*. Princeton: Princeton University Press, p. 43. Einstein Archives 59-454 and 59-495

53. (*The Gay Science*, Section 125)
54. الحاد مغرب اور ہم از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص ۱۳

55. خدا کی دریافت از مولانا وحید الدین ، باب مخالفین مذہب کا ستدلال ، ہندوستان ٹائمس ، سنڈے میگزین ۲۳ ستمبر ۱۹٦۱،

56. Armstrong, Karen. *A History of God* (New York: Ballantine Books 1993) p. 357 ISBN 0-345-38456-3
57. مقالہ مفتی عبد الروف غزنوی اسلام اور سیکولرازم

58. #/https://ilhaad.com/capitalism/incoherence/fall-of-capitalism
59. سورۃ البقرۃ الایۃ :۲:۷۵
60. ۔ قرطبی ، جامع الاحکا القرآن ، ج ۱ ،ص ۳۷۵

61. سورۃ البقرۃ الایۃ ۲۲
62. محمد طاہر ابن عاشور التحریر والتنویر
63. سورۃ یوسف الایۃ ۲۲
64. سورۃ الانبیاء الایۃ ۱۰
65. سورۃ الانعام ۷٦
66. سورۃ الانعام ۷۷
67. سورۃ الانعام ۷۸
68. سورۃ الانعام ۷۹
69. فی ظلال الق مترجم سید معروف شاہ شیرازی ادارہ منشوراتِ اسلامی جلد دوم؛ص۹۵٦
70. اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات از سید ابو الاعلیٰ مودودی باب دوم سلامتی کا راستہ ص ۳۵

71. اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات از سید ابو الاعلیٰ مودودی ، باب دوم سلامتی کا راستہ ، ص ۳۸ ، ۳۹ ، ۵۰
72. سورۃ الطور : ۳۵،۳٦
73. سورۃ الروم : ۲۷
74. سورۃ الاقعہ : ۵۷ تا ۵۹
75. سورۃ الواقعہ : ٦۳، ٦۳
76. سورۃ الواقعہ : ٦۸ تا ٦۹
77. سورۃ الواقعہ : ۷۱ ، ۷۲
78. سورۃ الاعراف ۱۳۳
79. سورۃ آلِ عمران:۱۹۰،۱۹۱
80. سورۃ یونس :۱۰۱

81. سورہ القصص : ٤١
82. سورۃ الانعام : ٩٥
83. سورۃ الرعد :٢

84. سورۃ الاعراف : ١٤٢
85. سورۃ لقمان ٢٥
86. سورۃ الاسراء :٦٤
87. سورۃ الحج:٤٣
88. سورۃ الذاریات :٢١
89. تنقیحات از سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ، ج ١
90. سورۃ الانعام:٩٩
91. سورۃ الفجر : ٥
92. سورۃ آل عمران : ١٦٣
93. اساس دین کی تعمیر از مولانا صدر الدین اصطلاحی باب دوم اللہ پر ایمان ، ص ٣٨ تا ٥٢
94. سورۃ آل عمران : ١٩١
95. اساس دین کی تعمیر ، باب دوم اللہ پر ایمان ،ص ٦٦
96. عقیدہ الطحاویۃ از علامہ طحاوی ص ٩٠٨
97. سورۃ طہ : ١٠١
98. سورۃ الشوریٰ : ١١
99. شرح العقیدۃ الطحاویۃ ١:٨٤ مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ